یاد ہے مجھ کو ترا حرفِ بلند

محمد اسمٰعیل قریشی ○

زندگی کی وہ ساعتیں جو سید مودودیؒ کی صحبتِ گرامی میں گزری ہیں' ایسی متاع گراں بہا ہے' جس کی قدر و قیمت کا اندازہ صرف وہی حضرات کر سکتے ہیں جنھوں نے سیدیؒ سے براہ راست اکتسابِ فیض کیا ہے۔ ذاتی واقعات بیان کرنے سے قبل مختصراً ان حالات کا ذکر مناسب ہوگا جن کا مولانا کی ہمہ گیر عبقری شخصیت سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق رہا ہے۔

مولانا کی اشتراکیت' نام نہاد جمہوریت اور شخصی یا گروہی آمریت کے خلاف جہدِ مسلسل' قید و بند کی اعصاب شکن صعوبتیں' پھر حرفِ حق بلند کرنے کی پاداش میں دار و رسن کی آزمایشوں سے گزرتے ہوئے پامردی اور استقامت کا بے پناہ مظاہرہ' وقت کی طاغوتی طاقتوں کے خلاف ایمان و یقین کی قوت کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے انھیں پسپائی پر مجبور کرنا زندگی کے ایسے ناقابلِ فراموش کارنامے ہیں' جن کی بدولت اسلام کی تاریخ کے وہ باب پھر سے درخشاں اور تابناک ہوگئے جب اکابرین امت نے اپنے اپنے دور کے تند و تیز بلاخیز طوفان کا رخ موڑ دیا' اور ملت کو ان کی ہلاکت آفرینیوں سے بچالیا۔

امام احمد بن حنبلؒ کے دور کا فتنۂ خلق قرآن' امام ابن تیمیہؒ کے دور کا فتنۂ تاتار' امام غزالیؒ کے دور میں لادینی فلسفے کی یلغار' مجدد الف ثانیؒ کے دور میں اکبر کے نام نہاد دین الٰہی کی گمراہیاں' شاہ ولیؒ اللہ کے دور میں اسلام کے خلاف شورشیں' جیسی فتنہ سامانیوں کے خلاف یہی وہ برگزیدہ ہستیاں تھیں

○ ایڈووکیٹ سپریم کورٹ [مقیم: لاہور]

جنھوں نے اپنی فراست ایمانی' حکمت و دانائی اور تبحرِ علمی سے وہی اسلوب اور وہی پیرایۂ اظہار اور وہی زبان استعمال کی جو اس دور کے فہم و ادراک کے لیے موزوں اور مناسب تھی۔ ان نابغۂ روزگار شخصیتوں کا طرۂ امتیاز رہا ہے کہ فرماں روا کے جبر و استبداد اور قہرمانی قوت سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اس وادیٔ پرخار کو کامیابی اور فیروزمندی کے ساتھ عبور کر گئے۔

مولانا مودودیؒ نے بھی یہی دشوار گزار' کٹھن اور صبر آزما راستہ اپنے لیے اختیار کیا۔ یورپ کے صنعتی انقلاب کے بعد مولانا نے ان تمام علوم جن کا تعلق آئین و قانون' سائنس و فلسفہ' مذہب و معیشت' معاشیات و معاشرت' سیاست اور عمرانیات سے تھا اور ساتھ ہی ان تمام عالمی تحریکوں کا جو اشتراکیت' فسطائیت اور بے لگام سرمایہ دارانہ جمہوریت کی صورت میں دنیا پر مسلط ہو رہی تھیں' عالمانہ بصیرت کے ساتھ مطالعہ کیا۔ پھر سائنٹی فک انداز میں ان کا تجزیہ کر کے ان سب کو قرآن و سنت کے معیارِ حق پر پرکھا اور ان تمام خرابیوں کو جو ان تحریکوں کی پیداوار تھیں' انھیں اسلام میں در آنے سے اپنی پوری قوت کے ساتھ روک دیا۔ ورنہ یہ خرابیاں امت کے لیے بڑی تباہی کا باعث ہوتیں۔

بیسویں صدی کے آغاز میں سوشلزم کا فتنہ نہایت برق رفتاری کے ساتھ اٹھا اور اٹھارھویں صدی کی لائی ہوئی ظلم پر مبنی سرمایہ دارانہ معیشت کی تباہ کاریوں کے خلاف عالمی انقلاب کی صورت میں نمودار ہوا۔ کارل مارکس اور انجلز کے افکار اور لینن و اسٹالن کے عملی اقدام سے یہ سیل بے پناہ ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیتا جا رہا تھا۔ سب سے پہلے وہ دین و مذہب کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے درپے تھا' کیونکہ پیروانِ مذہب اس نوزائیدہ اشتراکی مذہب کی راہ میں حائل تھے۔ روس کی ملحقہ مسلم ریاستوں کو زیر و زبر کرنے کے بعد سوشلزم کا یہ سیلاب ہندستان کے اندر داخل ہو گیا۔ اگرچہ اس وقت برطانوی سامراج نے مسلمانوں کی تہذیب و تمدن' زبان و ثقافت اور اقدارِ حیات کو بڑی حد تک اپنے کلچر میں تحلیل کر کے اپنی استعماری گرفت کو مضبوط کر لیا تھا لیکن اشتراکیت کے مقابلے میں اس کی گرفت کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ یہ فتنہ مسلمانوں پر ۱۸۵۷ء والی ابتلا سے بڑھ کر تباہ کن اور ہلاکت خیز تھا۔ اکابرین دیوبند' فرنگی سامراج کے خلاف برسرِپیکار تھے۔ اسی دور میں سرسید کی تحریکِ علی گڑھ تہذیبِ فرنگ کو مسلمانوں کی ترقی کے لیے ضروری خیال کرتی تھی۔ اس لیے ان دونوں کا منہج اور

طریق کار ایک دوسرے سے مختلف تھا' لیکن دونوں کے پیش نظر مسلمانوں کی فلاح و بہبود تھی۔ اس وقت سوشلسٹ اپنی کمین گاہوں کے اندر مذہب کی جڑیں کاٹنے کا تخریبی کام کر رہے تھے۔ امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ اور ان کے ہم عصر سیاست دانوں کے دور میں سوشلزم کھل کر سامنے آ گیا تھا۔ مولانا آزاد اور ان کے ہمرہانِ سیاست نے اس اشتراکی چیلنج کو کوئی زیادہ اہمیت نہیں دی۔ اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں مولانا آزاد نے اپنے مخصوص انداز کے ساتھ یہ فرماتے ہوئے کہ ''سوشلزم ایک نیا تجربہ ہے اور اسے یہ حق ہے کہ وہ اپنے اس تجربے کو زمانے کی کسوٹی پر آزمائے''، اسے یکسر نظرانداز کر دیا۔ اصل میں اس وقت مولانا آزاد کی تمام توجہ اپنے اخبارات الہلال اور البلاغ میں پیش کردہ پیغام سے منقطع ہو کر برطانوی سامراج کے خلاف مجتمع ہو گئی تھی۔ اس کے لیے انھوں نے نیشنلزم کی ہندستانی قوم پرستانہ تحریک کی نہ صرف حمایت کی بلکہ اسی راستے پر چل نکلے۔

'اشتراکی ترقی پسندی' الحاد اور لادینی کے اس پرآشوب دور میں ایک مردِ خود آگاہ وحق اندیش اٹھا' جس نے برعظیم ہند میں سب سے پہلے اشتراکیت کی تباہ کاریوں' یورپ کی لادین سیاست اور وطن پرستانہ قومیت کے خطرناک نتائج وعواقب سے ملت اسلامیہ کو بروقت خبردار کیا' اور ساتھ ہی اپنے کلام اور پیغام کی ضربِ کلیمانہ سے برطانوی ملوکانہ اقتدار پر پے درپے حملے کرتا رہا۔ یہ شخصیت تھی دانائے راز علامہ محمد اقبالؒ کی' جس کی ذات میں مشرقی اور مغربی علوم کے دھارے آ کر دریائے بے کراں بن گئے تھے۔ اقبالؒ نے کارزارِ سیاست میں قائداعظم محمد علی جناحؒ کی قیادت کو ملت کے لیے معتبر اور اپنا ہم عنان سمجھا' کیونکہ قائداعظمؒ علامہ اقبالؒ ہی کے الٰہ آباد میں ۱۹۳۰ء کے مسلم قومیت پر مبنی خطبۂ صدارت کے پیغام کو لے کر آگے بڑھتے چلے گئے' جو پاکستان کی صورت میں دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا۔

سید مودودیؒ، علامہ اقبالؒ کی جداگانہ مسلم قومیت کے بنیادی نظریہ خلافتِ الٰہیہ اور اس سے بڑھ کر نیابتِ الٰہی کے عظیم مشن کے رازدانوں میں تھے۔ علامہ کی مردم شناس نظر اور ان کی اسلامی بصیرت نے اسلام کی ایک ابھرتی ہوئی قوت کو سید مودودیؒ کی صورت میں پہچان لیا تھا۔ اس لیے انھوں نے مولانا مودودیؒ کو لاہور آنے کی دعوت دی' تاکہ وہ اپنے اس مشن کو ان کے حوالے کر دیں۔

علامہ اقبال کے ہم راز عزیز دوست سید نذیر نیازی مرحوم نے کرنل اقبال کی موجودگی میں

بتلایا تھا کہ علامہ اقبال' مولانا مودودی سے ملنے کے لیے کس قدر منتظر تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اس شخص میں وہ خداداد صلاحیتیں موجود ہیں جو ان مقاصد عالیہ کی تکمیل کے لیے ناگزیر ہیں۔ انھیں یقین تھا کہ یہ شخص سیکولر نظام کی پیدا کی ہوئی فتنہ انگیز تحریکوں کا جرأت رندانہ اور فراست مومنانہ کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے منزل مراد کی طرف بڑھتا چلا جائے گا۔ مجھے حیرت ان لوگوں پر ہے جو نظریہ پاکستان کے حقیقی معمار علامہ اقبالؒ کے سید مودودیؒ کے نام اس دستاویزی ثبوت کے باوجود ان پر اس الزام تراشی سے باز نہیں آتے کہ مولانا مودودیؒ قیامِ پاکستان کے حق میں نہیں تھے۔ حالانکہ قائداعظمؒ کے سیکرٹری اور ملک کے چوٹی کے قانون دان جناب شریف الدین پیرزادہ نے انھیں پاکستان کے مخلص بانیوں میں شمار کیا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنز میں مولانا مودودیؒ کو بیسویں صدی میں اسلام کی نشاتِ ثانیہ کا قائد اور پاکستان کے Founding Fathers کے زمرے میں شامل کیا گیا ہے۔

اب میں صرف ان حالات اور واقعات کا ذکر کروں گا جن کا تعلق آئین و قانون اور شرعی قوانین کے حوالے سے ہے' جو ہم نے خود مولانا کی زبان صدق و صفا سے سنے ہیں۔ اگر تمام واقعات قلم بند کروں تو ایک پوری کتاب تیار ہو جائے گی۔

مولانا کی عصری مجالس (نماز عصر کے بعد کی نشستوں) کے علاوہ خاص نشستیں بھی ہوتیں' جن کے لیے ہم خود حاضر ہوتے یا جب کبھی مولانا یاد فرماتے۔ ان نشستوں میں اکثر: حاجی غیاث محمد سابق اٹارنی جنرل' میاں شیر عالم سابق صدر لاہور ہائی کورٹ بار' درویش محمد عاربی اور راجا محمد صفدر اور کبھی کبھی اے کے بروہی مرحوم' چودھری نذیر احمد خان سابق اٹارنی جنرل' جناب خالد اسحٰق' جناب راجا افراسیاب خان سابق جج سپریم کورٹ موجود ہوتے۔

ایک خصوصی نشست میں دستور سازی پر گفتگو ہو رہی تھی۔ اس نشست میں مولانا مودودیؒ نے جو تفصیلات بتائیں' ان کے ایک پہلو کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے:

پاکستان بنا تو اسلام کے لیے ہے' لیکن انگریزوں کے غلامی کے اثرات' سوشلسٹ اور لادینی عناصر کی بیوروکریسی کے ساتھ گٹھ جوڑ کی وجہ سے اسلام کے خلاف محاذ بن چکا ہے۔ اسلام کی بات کرنا ملائیت کی نشانی سمجھا جاتا ہے اور اس کا تمسخر اڑایا جاتا ہے۔ قانون دان حضرات کی اکثریت کا بھی خیال تھا کہ اس دور میں اسلامی قانون کا نفاذ ممکن

نہیں۔ حکمران طبقہ تو اپنے انگریز آقاؤں کی طرح مذہب اور سیاست کو ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ خیال کرتا تھا۔ سب سے بڑا اعتراض جس کو وہ بطور ہتھیار استعمال کرتے' یہ تھا کہ خود علما حضرات مذہب کے بارے میں متفق نہیں تو پھر یہاں اسلامی دستور کی تشکیل اور اسلامی قانون سازی کس طرح ہو سکتی ہے۔ جسٹس منیر صاحب اس طبقے کے قائد تھے۔ یہ گروہ اس قسم کے اعتراضات اٹھا کر حکومت کے ایک خاص طبقے کے ہاتھ مضبوط کرتا تھا۔ ان حالات میں مجھے اور میرے رفقاے کار کو نہایت جانفشانی کے ساتھ کافی تگ و دو کرنا پڑی۔ اسلامی دستور کے بنیادی نکات تیار کر کے علما کو پیش کیے گئے' کیونکہ ان میں کوئی اختلافی بات نہیں تھی اس لیے تمام مکاتب فکر کے علما نے اسلامی دستور کے بارے میں متفقہ قرارداد منظور کر لی۔ اس پر حکومت میں ہمارے مخالفین بہت گھبرائے' ان کے سازشی ذہن نے جوڑ توڑ کا کاروبار شروع کیا۔ چند علما جو اس قرارداد کی منظوری میں شامل تھے انھیں یہ باور کرایا گیا کہ اس مہم کی کامیابی کا سارا کریڈٹ تو مودودی اور ان کی جماعت اسلامی لے جائے گی۔ اس بات کی مجھے بھی خبر ہوگئی اور ان سے گفتگو کے بعد اس کی تصدیق بھی ہوگئی۔ میں نے ان سے کہا کہ اصل غرض اور مقصود تو اسلام کے لیے بنیادی کام ہے۔ اگر میرا اور میری جماعت کا نام اس راستے میں رکاوٹ ہے تو آپ ہمیں سب سے آخر میں رکھ دیں۔ اس کے بعد ان علما کے لیے قرارداد سے انحراف کی کوئی گنجایش نہیں رہی۔ طے پایا کہ اس سلسلے میں مجلس عمل کا اجلاس طلب کیا جائے جہاں عملی اقدامات کے بارے میں لائحہ عمل تیار کیا جائے۔ لیکن مجلس عمل کا یہ اجلاس ہمیں بلائے بغیر ہی طلب کر کے ملتوی کر دیا گیا۔ مگر دوسری طرف خواجہ ناظم الدین مرحوم نے مجھ سے رابطہ قائم کیا۔ وہ بطور وزیراعظم اور قائد اسمبلی' اسلامی دستور سازی کے سلسلے میں مثبت اقدام کرنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ عناصر جو اسلام کو اپنی من مانی کارروائیوں کی راہ میں مزاحم سمجھتے تھے' ہمارے ان ارادوں سے بے خبر نہ تھے۔ چنانچہ ملک غلام محمد' بیوروکریسی کے اہل کار' عدلیہ کے سربراہ جسٹس محمد منیر اور چودھری ظفراللہ خان بیرونی طاقتوں کی ساز باز سے نفاذ اسلامی نظام کی تحریک کو روکنے میں کامیاب

ہوگئے۔ جس کے نتیجے میں: خواجہ ناظم الدین وزارتِ عظمٰی سے برطرف کر دیے گئے' دستور ساز اسمبلی توڑ دی گئی' پنجاب میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا' دینی عناصر کی سرکوبی کی گئی۔ میرے وجود کو حکومت اور اقتدار کے لیے سب سے بڑا خطرہ سمجھ کر مجھے ختم کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی۔ پمفلٹ قادیانی مسئلہ لکھنے کے جرم میں سزاے موت سنائی گئی' مگر قدرت کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ مجھے سزاے موت دینے والے خود ہی بے بسی کی حالت میں دنیا سے چل بسے۔

مسئلہ قادیانیت کے بارے میں دریافت کرنے پر بتلایا: دلائل کا جواب دینے کے لیے ''دلائل موجود نہ ہوں تو پھر طاقت کے زور پر حق کو دبانے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے''۔ گفتگو ختم کرتے ہوئے فرمایا: ''اس ناپاک سازش کے باوجود الحمدللہ میرے اور جماعت کے عزائم اور حوصلے بلند رہے۔ ہم اپنے کام میں لگے رہے۔ حکومت وقت اور اس کے کارندے ہمارے خلاف کارروائیوں میں مصروف رہے''۔

○ **سال ۱۹۶۴ء کا ایک آئینی مقدمہ:** ۱۹۶۴ء میں مغربی پاکستان ہائی کورٹ نے مولانا مودودیؒ کی وہ رٹ خارج کر دی جس میں جماعت اسلامی کو غیر قانونی قرار دینے کو چیلنج کیا گیا تھا۔ اس کے خلاف مولانا مودودی' ان کے صاحبزادے سید عمر فاروق مودودی وغیرہ نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی تھی۔ مشرقی پاکستان ہائی کورٹ نے جماعت اسلامی پر پابندی کو ناجائز قرار دیا تھا۔

سپریم کورٹ میں مولانا مودودیؒ کی اپیل کی پیروی کے لیے جو پینل بنا اس کے سربراہ اے کے بروہی تھے۔ ان کے ہمراہ جسٹس (ر) شبیر احمد' میاں محمود علی قصوری' ایس ایم ظفر سینئر ایڈووکیٹس تھے۔ ان کی معاونت کے لیے بیرسٹر مس رابعہ قاری' یہ خاکسار' بیرسٹر اختر الدین' چودھری اسماعیل اور دیگر وکلا موجود تھے۔ گورنمنٹ کی جانب سے منظور قادر' سید نسیم حسن شاہ اور دیگر نامور وکلا پیش ہوئے۔ مولوی تمیزالدین خاں کے بعد پاکستان کی عدلیہ کا ایک اہم اور دور رس نتائج کا حامل مقدمہ تھا' جس میں شہریوں کے بنیادی حقوق' حکومت کے بے رحم اور جارحانہ قوانین' قانون کی معقولیت اور جوڈیشل ریویو جیسے آئینی اور قانونی نکات زیر بحث آئے۔

بروہی صاحب اپیل کی سماعت کے بعد روزانہ ہر جج کو اس کی صلاحیتوں کے مطابق نمبر (مارکس) دیتے۔ ۱۰۰ فی صد مارکس انھوں نے کسی کو نہیں دیے البتہ یہ فل مارکس انھوں نے صرف ایک شخص کو دیے جو جج یا وکیل نہیں بلکہ مدعی تھا' اور وہ مولانا مودودی تھے۔ بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ مولانا مودودیؒ نے کیس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر اپنے نوٹس بروہی صاحب کو پہنچا دیے تھے۔ اس اپیل کا فیصلہ سپریم کورٹ نے مولانا مودودیؒ کے حق میں صادر کیا۔ اے کے بروہی صاحب سے واقف حضرات جانتے ہیں' کہ یہ وہی مسٹر اے کے بروہی ہیں جو دین کو پرائیویٹ معاملہ سمجھتے تھے اور جنھوں نے چیلنج دیا تھا کہ اگر کوئی شخص قرآن سے اسلامی آئین کا ثبوت دے تو وہ اسے ۵۰ ہزار روپے انعام دیں گے۔ مولانا کے مقدمات کی پیروی کرنے اور ان کے لٹریچر کا مطالعہ کرنے سے اور ان سے ملاقاتوں کے بعد انھی بروہی صاحب میں ایسا ذہنی انقلاب آیا کہ وہ مولانا کے ہم نوا ہو گئے اور اسلامی آئین اور قانون کے داعی اور شارح بن گئے۔

○ **سال ۱۹۷۴ء میں مولانا کا استقبال:** سال ۱۹۷۴ء میں جناب منظور قادر کی وفات کے بعد لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کا میں صدر اور جہانگیر جھوجہ سیکرٹری جنرل تھے۔ اس دوران مولانا مودودیؒ جب پہلی مرتبہ امریکہ سے جہاں وہ بغرض علاج اپنے صاحبزادے احمد فاروق کے پاس گئے ہوئے تھے' واپس آئے تو ہم دونوں نے شہریان لاہور کی جانب سے ان کا استقبال کیا۔ دینی اور سیاسی جماعتوں کے عمائدین بھی اس موقع پر موجود تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ لاہور کا سارا شہر رشید پارک کے وسیع میدان میں اُمڈ آیا ہے۔ میں نے مولانا کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے کہا: ''مولانا نے اس سرزمینِ بے آئین کو اسلامی آئین و قانون کی حکمرانی کے لیے جو بنیادیں فراہم کی ہیں' ان پر ملک عزیز کی بقا اور استحکام کا انحصار ہے''۔ اس کے جواب میں مولانا نے نہایت مشفقانہ انداز میں مسلمانوں کو ملک عزیز میں اسلامی نظام حیات کے لیے کوششیں تیز کرنے کی تلقین کی۔

امریکہ کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے مولانا نے بتلایا: ''وہاں اسلام کے لیے فضا تیار ہو رہی ہے مگر وہاں جو مسلمان سرکاری یا پرائیویٹ امریکن فرموں میں ملازم ہیں ان کو ٹوپی اور داڑھی رکھنے کی اجازت نہیں۔ علماے ازہر سے فتویٰ لیا گیا تو انھوں نے اس پابندی کو جائز

قرار دیا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا یہودی اپنی مذہبی ٹوپی پہن سکتے ہیں، سکھ ڈاڑھی رکھ سکتے ہیں، لیکن صرف مسلمانوں کے لیے یہ امتیازی قانون کیوں؟ اصل بات یہ ہے کہ امریکی حکومت کو اسلامی تشخص کی ہر نشانی سے ڈر لگتا ہے"۔

○ **ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس کا قیام:** جناب اے کے بروہی سے میرے قریبی تعلقات رہے ہیں۔ جب بھی وہ لاہور آتے ان سے ملاقات رہتی۔ سال ۱۹۷۶ء میں جب وہ یورپ کے دورے سے واپسی پر مجھ سے ملے تو کہنے لگے: "مولانا مودودی کے لٹریچر سے یورپ کے دانش ور طبقے (Intellectual class) میں اسلام بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے"۔ عرض کیا: "بروہی صاحب، مولانا اور ان کی تربیت یافتہ جماعت اور خصوصاً نوجوانوں کے ذریعے اسلام کی روشنی دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلتی جا رہی ہے۔ مسلمانوں کی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہو رہی ہیں۔ اس سلسلے میں پاکستان اور دنیا میں پھیلے ہوئے اسلامی اسکالروں اور دانشورانِ قانون کا ایک پلیٹ فارم بن جائے تو یہ بھی ہمہ گیر اسلامی آرڈر (Islamic Order) کی جانب ایک اہم پیش رفت ہوگی"۔

بروہی صاحب نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ کافی عرصہ غور و خوض کے بعد میں نے مولانا مودودیؒ سے اس بارے میں رہنمائی کی درخواست کی۔ مولانا نے اس پر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور بلاتامل اس عصری مجلس میں جس میں چودھری محمد اسلم سلیمی صاحب بھی موجود تھے، اس کے چارٹر کے لیے اغراض و مقاصد تحریر کرائے۔ اس تنظیم کا نام میں نے ورلڈ ایسوسی ایشن آف اسلامک جیورسٹس تجویز کیا تھا۔ مولانا مودودی نے اسلامک (Islamic) کے بجائے مسلم کا لفظ پسند کیا۔ مولانا خلیل احمد حامدی مرحوم نے عربی میں اس کا نعم البدل بتلا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا نے اپنے نفس گرم سے اس تنظیم کے ڈھانچے میں روح پھونک دی۔

اس وقت کے نامور علما سے جو قدیم اور جدید علوم کے ماہر تھے اس کا تعارف کرایا۔ یہاں میں صرف چند ممتاز شخصیتوں کا ذکر کروں گا جو اس تنظیم کے اعزازی اور اساسی اراکین میں شامل ہیں۔ اعزازی اراکین: ۱- عبداللہ بن عبدالعزیز، پریذیڈنٹ سپریم کونسل آف جسٹس سعودی عرب، ۲- ڈاکٹر معروف دوالیبی، ۳- ممتاز اسکالر محمد قطب مصر، ۴- شیخ عبداللہ ابراہیم، ڈپٹی لیڈر رابطہ عالم

اسلامی۔

اساسی اراکین: ۱- ڈاکٹر محمد حمید اللہ (فرانس)، ۲- ڈاکٹر محمد اسد (اسپین)، ۳- ڈاکٹر اسماعیل راجی فاروقی (امریکہ)، ۴- ڈاکٹر محمد کاشانی (ایران)، ۵- ڈاکٹر ادریس علوی (مراکش)، ۶- ڈاکٹر عبدالقادر (ڈپٹی چیف جسٹس ترکی)، ۷- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (بھارت)، ۸- جناب حمود الرحمٰن (چیف جسٹس پاکستان)، ۹- شیخ غیاث محمد (اٹارنی جنرل پاکستان)، ۱۰- جناب اے کے بروہی، بیرون پاکستان کے سکالرز، مسلم ماہرین قانون کی تنظیم کے اجتماعات سے خطاب کرتے رہے اور اسلامی قانون اور جیورس پروڈنس کے بارے میں اپنی آرا سے بھی مستفید کرتے رہے۔ جب اس تنظیم کی تشکیل مکمل ہوگئی اور مختلف شعبوں نے مختلف ممالک میں کام کرنا شروع کیا، ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ، ریاض سعودی عرب نے مجھے اپنے ایڈوائزری بورڈ کا رکن منتخب کرلیا تو میں نے مولانا سے اس عالمی تنظیم کا سرپرست اعلیٰ بننے کی درخواست کی۔ پہلے تو وہ پس و پیش کرتے رہے، بالآخر اپنے مکتوب کے ذریعے اس کے لیے رضامند ہوگئے۔ مکتوب کا متن حسب ذیل ہے:

محترمی و مکرمی، السلام علیکم،

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ یہ آپ کی عنایت ہے کہ آپ مجھے اس عظیم تنظیم کا سرپرست بنانا چاہتے ہیں۔ دراصل یہ مقام تو کسی جلیل القدر قانون دان کو عطا کرنا چاہیے، تاہم اگر آپ کے رفقا بھی اس خیال ہی کی تائید کرتے ہیں تو میں اسے بخوشی منظور کرلوں گا۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ ۲۴ مئی ۱۹۷۹ء

تمام اراکین جن میں اے کے بروہی، شیخ غیاث محمد، چودھری نذیر احمد خان، بی زیڈ کیکاوس شامل تھے، انھوں نے مولانا کو متفقہ طور پر اپنی رائے سے مطلع کیا اور اسے تنظیم کے لیے باعث افتخار قرار دیا۔ مولانا کے دست راست جناب عاصم نعمانی نے میرے اور میرے رفقا کی ملاقاتوں کا ذکر اپنی یادگار کتاب گفتار اور افکار میں کیا ہے اور اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے: ''آپ حضرات کی غیرحاضری میں آپ کی تنظیم کا ذکر آ گیا تو مولانا نے آپ کے کام کو سراہا اور تحسین فرمائی''۔ یہ مولانا کی عظمت کی دلیل ہے۔

اس سے قبل مولانا نے اس تنظیم کے لیے اپنی خرابیِ صحت کے باوجود ۱۶ مئی ۱۹۷۸ء کو ایک مبسوط پیغام ارسال فرمایا جس کا خلیل حامدی صاحب نے عربی میں ترجمہ بھی کر دیا۔ اس پیغام کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

قانون کو جو شخص بھی جانتا اور سمجھتا ہو وہ اس بات سے ناواقف نہیں ہو سکتا کہ کوئی قانون بھی بجاے خود ایک مستقل علم اور مجموعہ احکام نہیں ہوتا، بلکہ اس کے پیچھے ایک نظامِ فکر، ایک تصورِ حیات، ایک نظامِ اقدار، ایک معیار خیر و شر اور ایک تصور اخلاق کارفرما ہوتا ہے، جس کے لیے قانون سازی کی جاتی ہے۔

مولانا کے مکمل پیغام کے ہر لفظ میں ایک جہانِ معنی پنہاں ہے۔ قانون کی اس سے بہتر ترجمانی جیورس پروڈنس کے ماہرین بھی نہیں کر سکے۔ میرے نام مولانا کے اور مکتوبات گرامی کی طرح یہ دونوں مکتوبات بھی ابھی تک منظر عام پر نہیں آئے۔ ۳۱ اگست ۱۹۷۸ء کو مسلم جیورسٹس ایسوسی ایشن نے مولانا کے اعزاز میں ایک افطار پارٹی کا اہتمام کیا۔ خرابیِ صحت کے باوجود مولانا نے اس میں شرکت فرمائی۔ جس میں میاں طفیل محمد، جناب قاضی حسین احمد، مولانا نعیم صدیقی، محمد اسلم سلیمی اور پاکستان نیشنل الائنس کے وزراے کرام، چودھری نذیر احمد خان، میاں شیر عالم، جناب عامر رضا خان ایڈووکیٹ جنرل پنجاب، چودھری ایم عارف (جو بعد میں سپریم کورٹ کے سینئر جج رہے ہیں) اور دینی جماعتوں کے عمائدین نے شرکت کی۔ مولانا نے اپنے حیات آفریں خطاب میں وکلا کے اتحاد اور اسلامی قانون کی حکمرانی کے لیے جرأت مندانہ کوششوں کو قابلِ ستایش قرار دیا اور دعا فرمائی کہ اللہ آپ حضرات کو اس نیک کام میں زیادہ محنت اور غور و خوض کی توفیق دے اور آپ جس عظیم مقصد کے لیے کوشاں ہیں اس میں کامیابی عطا فرمائے۔

○ **۱۹۷۸ اور ۱۹۷۹ء کے دوران ملاقاتیں:** ۱۹۷۸ء اور ۷۹ء میں جو ملاقاتیں ہوئیں، ان میں شیخ غیاث مرحوم، میاں شیر عالم، درویش عاربی، راجا صفدر مرحوم، خالد ایم اسحاق اور ڈاکٹر ظفر علی راجا بھی ہمراہ ہوتے تھے۔ گفتگو کا موضوع: علما کا اتحاد، آئین، مسلم جیورسٹس ایسوسی ایشن اور کام کی ترجیحات ہوتیں۔

مولانا کی صحت کے بارے میں ہم سب نہایت فکرمند تھے۔ عرض کیا: ''اسلام کی سربلندی

کے لیے اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ شب و روز کی سعی و کاوش، جیل کی بے پناہ صعوبتیں برداشت کرنے اور مسلسل تحقیقی کام کو جاری رکھنے کے نتیجے میں ان کے اثرات اور ثمرات نمایاں ہو رہے ہیں۔ ثمرات سے ساری ملت فیضیاب ہو رہی ہے، جب کہ اعصاب شکن اثرات سے آپ کی صحت متاثر ہو رہی ہے۔ اس لیے زیادہ تر وقت آرام کے لیے وقف کیجیے"۔

مولانا نے فرمایا: "کوشش بھی کر کے دیکھ لی ہے، کامیابی نہیں ہوئی۔ کم بخت کام کی لت کچھ ایسی پڑ گئی ہے بغیر کام کے زیادہ تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس کی وجہ سے ہڈیوں کی تکلیف بڑھتی جا رہی ہے غالباً اب وہ مجھ سے انتقام لے رہی ہیں"۔

خرابی صحت کے دوران ترکی اور ایران کے وفود نے مولانا سے ملاقاتیں کیں۔ ان کی اہم باتیں ہمیں بتلاتے رہے۔ فرمایا: "اقبال کے افکار اور جماعت اسلامی کی فکری تحریک نے ایران اور ترکی میں اسلام کی طرف مراجعت میں اہم کردار ادا کیا ہے"۔ پھر مولانا نے ترکی میں خلافت کے زوال اور ایران میں شہنشائیت کے خاتمے کے تاریخی عوامل کی تفصیل کے ساتھ نشان دہی فرمائی۔

الوداعی ملاقات

۲۴ مئی ۱۹۷۹ء کو مولانا کی اقامت گاہ پر حاضر ہوا، جسے میں نے 'بیت الامت' کا نام دیا تھا۔ دوبارہ امریکہ علاج کی غرض سے جانے کے بارے میں بتلایا کہ: "دل تو نہیں چاہتا کہ اتنے لمبے سفر کی صعوبت برداشت کروں، لیکن بچوں کے اصرار پر اس خیال سے کہ ان کی دل شکنی نہ ہو رضامندی کا اظہار کیا ہے، ۲۶ مئی لاہور سے روانگی کا پروگرام ہے"۔ پھر فرمایا "پروگرام کو عام نہ کیا جائے کیونکہ نقاہت کی وجہ سے سب سے مل نہ سکوں گا"۔ ۲۶ مئی کو بنچ اور بار کی ایک خاص میٹنگ کی وجہ سے ایرپورٹ پر بروقت نہیں پہنچ سکا۔ جب پہنچا تو معلوم ہوا کہ مولانا جہاز میں سوار ہو چکے ہیں۔ مولانا کے صاحبزادے سے جو اس وقت وہاں موجود تھے کہا کہ مولانا کو میرا سلام پہنچا دیں۔ کہنے لگے اس وقت کسی کو جہاز پر جانے کی اجازت نہیں ہے لیکن پی آئی اے کی محنت کش یونین پیاسی کے ایک عہدہ دار نے یہ ذمہ داری قبول کر لی۔ مولانا کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے از راہ شفقت جہاز پر اُوپر بلالیا۔ دیکھ کر فرمایا: "آخر آپ آ ہی گئے"۔ عرض کیا: "بفیلو تک بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہونے

کا ارادہ ہے''۔ فرمایا: ''ضرور آیئے''۔ رخصت ہوتے ہوئے میں نے سعدیؒ کا یہ شعر ادنیٰ تصرف کے ساتھ پڑھا:

دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست

تا نہ پنداری کہ تنہا می روی

سعدی کا دل اور نظر تمھارے ساتھ ہے تاکہ تو یہ خیال نہ کرے کہ تو تنہا جا رہا ہے۔

مولانا نے بے ساختہ فرمایا: ''بھئی' میں نے کبھی اپنے آپ کو تنہا محسوس نہیں کیا' بلکہ ہمیشہ یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرا خدا میرے ساتھ ہے۔ سب کی محبت میرے ساتھ ہے''۔ عرض کیا: ''مولانا' آپ کی شخصیت فرقہ پرستی اور گروہی سیاست سے بہت بلند ہے۔ روانگی سے قبل قوم کو اتحاد اور یکجہتی کا پیغام دیتے جایئے' اختلافات ختم نہیں تو کم ضرور ہوں گے''۔ چنانچہ مولانا نے امریکہ جاتے ہوئے راولپنڈی سے ایک حیات آفریں پیغام دیا' جو ملک کے سارے اخبارات میں نمایاں طور پر شائع ہوا۔ بفیلو پہنچنے کے بعد طبیعت کا حال معلوم ہوتا رہا۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء کو یہ اندوہناک خبر ملی کہ مولانا رحلت کر گئے۔ یوں محسوس ہوا کہ گردش لیل ونہار کچھ دیر کے لیے رک گئی ہے پھر لسان الغیب کی صدا آئی ؂

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

وہ دل جو عشق کی بدولت زندہ ہوگیا' کبھی موت سے ہمکنار نہیں ہوتا۔ ہماری ہمیشگی صحیفہ عالم پر قائم ہو چکی ہے۔

وقت کے ریگ رواں پر مولانا کے نقش قدم انسانیت کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔ دنیا میں جہاں جہاں اسلام ایک زندہ قوت بن کر ابھر رہا ہے' اس میں مولانا کے جذبے اور عمل کی روح کارفرما ہے۔ پاکستان اور پاکستان سے باہر دنیا میں اسلامائزیشن اور سود سے پاک معاشرے کے لیے عدل و قانون کے میدان میں جو گراں قدر خدمات' مولانا کی سرپرستی میں قائم ہونے والی مسلم ماہرین قانون کی عالمی تنظیم نے جسٹس ملک غلام علی مرحوم' مولانا گوہر رحمٰن مرحوم اور جناب پروفیسر خورشید احمد کی معاونت سے سرانجام دی ہیں' وہ سب مولانا کے فیضان نظر کا نتیجہ ہیں۔